45965/327

جناب مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) حضرت والا میرا ایک دوست ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ جو ہم روزہ کی نیت کرتے وقت کہتے ہیں کہ بصوم غد نویت لفرض رمضان یہ الفاظ کسی حدیث سے ثابت نہیں، للذا یہ بدعت ہے کیا واقعی یہ بدعت ہے؟

(۲) کیا یہ الفاظ کسی حدیث سے ثابت ہیں؟

(۳) نیز اسکا یہ بھی کہنا ہے اس عبارت میں " غدا " کا لفظ ہے جسکے معنی ہیں کل اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں کل کا روزہ رکھتا ہوں، حالانکہ روزہ تو میں آج کا رکھ رہا ہوں، للذا اس اعتبار سے بھی یہ غلط ہے۔

(۴) چوتھا سوال یہ دریافت طلب ہے کہ کیا درج ذیل حدیث، کتابوں میں موجود ہے« إِذَا سَمِعَ أَحَدُكُمُ النِّدَاءَ وَالإِنَاءُ عَلَى يَدِهِ فَلاَ يَضَعْهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ ».؟

(۵) کیا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر رمضان شریف میں سحری کھاتے وقت فجر کی اذان شروع ہو جائے تو بھی کھانا پینا نہ چھوڑے اور اپنی ضرورت پوری کرلے؛ کیونکہ اس دوست کا کہنا یہ ہے کہ سحری کھاتے وقت اذان ہو جائے تو فوراً کھانا پینا چھوڑ دینا ضروری نہیں ہے؟

بندہ نیاز علی سولنگی

موبائل: ۰۳۰۰۲۳۸۶۵۳۵

دار الافتاء
فتوی نمبر ۳/۱۷۲۴

90067

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون ملہم الصواب

(۱) اصل سوال کے جواب سے پہلے بطورِ تمہید یہ عرض ہے کہ نیت درحقیقت دل کے ارادہ کا نام ہے، اس لئے کسی عبادت کی نیت درست ہونے کے لئے صرف دل میں اسکی ادائیگی کا عزم اور ارادہ کرلینا اور اپنے قلب میں اسکا استحضار کرلینا کافی ہے، زبان سے نیت کے الفاظ کا تلفظ کرنا یا حدیث سے اسکا ثابت ہونا شرعاً ضروری نہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمارے فقہا کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ جب آدمی روزہ رکھنے کی غرض سے سحری کرتا ہے تو وہ بھی روزہ کی نیت کے لئے کافی ہے۔ البتہ یہاں یہ بات واضح رہے کہ اگر کوئی شخص نیت کے الفاظ کے تلفظ کو ضروری سمجھے بغیر اپنے استحضارِ قلب کو پختہ کرنے کی غرض سے دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی الفاظ کا تلفظ کرلے تو شرعاً اس میں مضائقہ نہیں۔ بلکہ اس لحاظ سے بہتر ہے کہ دل کی نیت کو زبان سے بھی ظاہر کردیا۔ للہذا اسکو بدعت کہنا درست نہیں۔

(۲) جس طرح نماز روزہ وغیرہ عبادات کی نیت درست ہونے کے لئے صرف دل کا ارادہ کافی ہے، نیت کے لئے الفاظ ضروری نہیں، اسی طرح اپنے استحضارِ قلب کو پختہ کرنے کی غرض سے دل کی نیت کے ساتھ زبان سے الفاظ تلفظ کرنے کے لئے قرآن یا حدیث سے ثابت اور نیت کے لئے حدیث کے الفاظ ہونا شرعاً ضروری نہیں ہے، بلکہ ہر شخص اپنی مادری زبان سے یا جس زبان سے اسکے لئے آسان ہو اس زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرسکتا ہے۔ چنانچہ روزہ کی نیت کے لئے بصوم غد نویت لفرض رمضان یا بصوم غد نویت من شهر رمضان وغیرہ جملہ جو بعض حضرات نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے یہ حدیث سے ثابت نہیں اور ثابت ہونا ضروری بھی نہیں؛ کیونکہ اصل نیت دل سے ہونا کافی ہے۔ اور یہ الفاظ دل کی نیت کو پکا کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں، جن میں مضائقہ نہیں اور اس لحاظ سے ان کو بدعت کہنا درست نہیں۔

(۳) روزہ کی نیت میں عام طور پر جو یہ کہا جاتا ہے کہ میں کل کے روزے کی نیت کرتا ہوں یا میرا کل کا روزہ ہے وغیرہ تو لفظِ "کل" سے یہاں مراد آنے والی صبح سے شروع ہونے والا دن ہے، یہی مطلب عربی میں لفظِ "غداً" کا بھی ہے۔ یعنی لفظِ "غداً" سے بھی یہاں آنے والی صبح سے شروع ہونے والا دن ہی مراد ہے؛ کیونکہ نیت سحری کے وقت، صبحِ صادق سے پہلے کی جاتی ہے جس میں نیت کرنے والا "بصوم غد نویت من شهر رمضان" کہتا ہے۔ للہذا عربی کے مذکور جملہ میں لفظِ "غد" کا استعمال درست ہے۔

فی المصباح المنير في غريب الشرح الكبير - (۲ / ۴۴۳)

و (الغَدُ) اليوم الذي يأتي بعد يومك على أثره ثم توسعوا فيه حتى أطلق على البعيد المترقب وأصله (غَدْوٌ) مثل فلس لكن حذفت اللام وجعلت الدال حرف إعراب

وفی تاج العروس من جواهر القاموس - (۳۹ / ۱۴۷)

الغد اليوم الذي بعد يومك على أثره ثم توسعوا فيه حتى أطلق على البعيد المترقب ۔

وفی الطبراني في معجمه الكبير ج۳/ص۱۶۸ ح۳۰۲۰

عن حذيفة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم * أنها ستكون عليكم أمراء يكذبون فمن صدقهم بكذبهم وأعانهم على ظلمهم فليس مني ولست منه ومن لم يصدقهم بكذبهم و لم يعنهم على ظلمهم فهو مني وأنا منه وسيرد علي الحوض غدا إن شاء الله

(۴) سوال میں مذکور حدیث کتبِ حدیث میں موجود ہے، سننِ ابوداؤد شریف کے علاوہ دیگر کئی کتبِ حدیث میں یہ روایت تقریباً انہی الفاظ میں موجود ہے۔ مثلاً دار قطنی، مستدرکِ حاکم، اور سننِ بیہقی وغیرہ کتبِ حدیث میں ہے۔

(۵) مذکور حدیث کا متعین طور پر سوال میں مذکور مطلب بیان کرنا درست نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل درج ذیل ہے:

دارالافتاء

سوال میں مذکور الفاظ سننِ ابوداؤد شریف کے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- « إِذَا سَمِعَ أَحَدُكُمُ النِّدَاءَ وَالإِنَاءُ عَلَى يَدِهِ فَلاَ يَضَعْهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ ». ﴿سنن أبي داود - ج٢ /ص ٢٧٦﴾

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص اذان سنے اس حال میں کہ برتن اسکے ہاتھ میں ہو تو اسے مت رکھے یہاں تک کہ اپنی حاجت پوری کرلے۔

حدیث کے الفاظ اور ترجمہ کے بعد یہ عرض ہے کہ مذکور حدیث میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ جب کوئی شخص اذان سنے اور کھانے پینے کا برتن اسکے ہاتھ میں ہو تو وہ اذان کی وجہ سے اپنے کھانے پینے کو نہ روکے بلکہ اپنے کھانے پینے کی حاجت پوری کرلے۔

اس حدیث میں اس بارے میں کوئی تفصیل مذکور نہیں کہ یہاں کونسی اذان مراد ہے؟ آیا فجر کی اذان مراد ہے؟ یا مغرب کی اذان مراد ہے؟ یا کسی اور نماز کی اذان مراد ہے؟ اور نہ ہی اس حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ حکم روزہ داروں کو دیا جارہا ہے یا نماز پڑھنے والوں کو یعنی اس حدیث میں یہ احتمال بھی ہے کہ نماز کے لئے جانے والوں کو یہ کہا جارہا ہو کہ جب تم کھانے پینے میں مصروف ہو اور اس حالت میں اذان ہو جائے تو پہلے اپنے کھانے پینے کی حاجت پوری کرلو پھر نماز کے لئے جاؤ؛ تاکہ نماز کے دوران بھوک اور پیاس کی وجہ سے تمہارا دل کھانے پینے کی طرف الجھا ہوا نہ ہو، اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ حکم روزہ رکھنے والوں کے لئے ہی ہو لیکن اس میں بھی دو احتمال ہیں:

(الف) ایک یہ کہ یہاں مغرب کی اذان مراد ہو اور مطلب یہ ہو کہ جب روزہ دار افطار کررہا ہو اور اسکے ہاتھ میں کھانے پینے کا برتن موجود ہو اور مغرب کی اذان ہو جائے تو اسے اذان سنتے ہی برتن اپنے ہاتھ سے رکھ لینا ضروری نہیں بلکہ پہلے اپنے کھانے پینے کی حاجت پوری کرلے پھر نماز کے لئے جائے۔(أو المراد إذا سمع الصائم الأذان للمغرب)۔

(ب) دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ حکم سحری کھانے والوں کے لئے ہو، پھر اس میں بھی کئی احتمالات ہیں۔ مثلاً اس سے سحری کے وقت کی اذان مراد ہو (یعنی اس سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذانِ سحر مراد ہو) واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سحری کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سونے والوں کو جگانے کے لئے اور تہجد پڑھنے والوں کو سحری کھانے کا وقت ہو جانے پر متنبہ کرنے کے لئے اذانِ فجر سے پہلے بوقتِ سحر ایک اذان دیتے تھے، اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذانِ سحر کو سن کر تم کھانا پینا بند نہ کرو، بلکہ صبح صادق داخل ہونے تک چونکہ سحری کھاسکتے ہو لہٰذا یہ اذان سن کر اپنے ہاتھ سے برتن رکھ دینے کی ضرورت نہیں، بلکہ صبح صادق تک اپنے کھانے پینے کی ضرورت پوری کرلو جیسا کہ مسلم شریف، مؤطا امام مالک وغیرہ کتبِ حدیث میں روایتِ صحیحہ صریحہ کے ساتھ مذکور ہے کہ بلال کی اذان تم میں سے کسی کو اپنی سحری سے نہ روکے؛ کیونکہ وہ یہ اذان سونے والوں کو بیدار کرنے اور قیام اللیل میں مصروف لوگوں کو لوٹنے کے لئے پڑھا کرتے ہیں۔﴿ لا يمنعن أحدكم أذان بلال من سحوره فإنه يؤذن أو قال : ينادي ليرجع قائمكم ويوقظ نائمكم .﴾ الموطأ - رواية محمد بن الحسن - (٢ / ١٥٩) ایک اور حدیث میں ہے کہ بلال رات کے وقت اذان پڑھتا ہے لہٰذا تم کھاؤ پیو یہاں تک کہ عبد اللہ ابن ام مکتوم اذان پڑھے(قيل المراد بالنداء الأذان الأول أي أذان بلال قبل الفجر لقوله {صلى الله عليه وسلم} إن بلالاً يؤذن بليل فكلوا وأشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم.﴾ یا یہ مطلب ہے کہ اگر سحری کرتے ہوئے اذان کی آواز آجائے اور تمہیں صبح صادق داخل ہونے میں شک ہو تو چونکہ رات کا ہونا یقینی ہے اور صبح صادق داخل

دار الافتاء

ہونے میں شک ہو گیا لہٰذا یہ شک تمہارے یقین کو زائل نہیں کریگا اس لئے جب تک صبح صادق داخل ہونے کا یقین نہ ہو اس سے پہلے پہلے تک کھانے پینے کی حاجت پوری کر سکتے ہو۔(وقيل هو محمول على من سمع الأذان وهو يشك في طلوع الفجر وبقاء الليل ويتردد فيهما فيجوز له الأكل والشرب ، لأن الأصل بقاء الليل حتى يتبين له طلوع الفجر الصادق باليقين أو بالظن الغالب وهذا عند الشافعية. قال الخطابي : أو يكون معناه أن يسمع الأذان وهو يشك في الصبح مثل أن تكون السماء متغيمة فلا يقع له العلم بأذانه إن الفجر قد طلع لعلمه إن دلائل الفجر معدومة -------﴾

الغرض سوال میں مذکور حدیث میں مذکورہ بالا تمام احتمالات موجود ہیں ،اور شراح حدیث نے یہ تمام احتمالات اس میں بیان بھی فرمائے ہیں۔

لہٰذا اس حدیث کو دیگر تمام احتمالات سے کاٹ کر صرف رمضان المبارک میں فجر کی اذان کے ساتھ خاص کر دینا اور یہ کہنا کہ سحری کھاتے وقت اگر اذان ہو جائے تو فوراً کھانا پینا چھوڑ دینا ضروری نہیں ، ہر گز درست نہیں۔اور واضح رہے کہ سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد اگر فجر کی اذان ہو جیسا کہ ہمارے یہاں رواج ہے تو فجر کی اذان ہونے پر سحری کھانا درست نہیں،اگر کسی نے اس وقت سحری کھائی تو اس کا روزہ نہ ہوگا۔مذکورہ حدیث سے اسکے جواز پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

عن بن مسعود رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم * لا يمنعن أحدا منكم أذان بلال أو قال نداء بلال من سحوره فإنه يؤذن أو قال ينادي بليل ليرجع قائمكم ويوقظ نائمكم وقال ليس أن يقول هكذا وهكذا وصوب يده ورفعها حتى يقول هكذا وفرج بين إصبعيه----------
صحيح مسلم - - (٢ / ٧٦٨﴾

وفى عمدة القاري شرح صحيح البخاري - (٨ / ١٤٦(

وأيضا فإن قوله إن بلالا يؤذن بليل يشعر أن ابن أم مكتوم بخلافه ولأنه لو كان قبل الصبح لم يكن بينه وبين بلال فرق لصدق أن كلا منهما أذن قبل الوقت وأجيب بأن المراد بالبزوغ ابتداء طلوع الفجر فيكون أذانه علامة لتحريم الأكل والظاهر أنه كان يراعي له الوقت والدليل عليه ما رواه أبو قرة من وجه آخر عن ابن عمر حديثا فيه وكان ابن ام مكتوم يتوخى الفجر فلا يخطئه ولا يكون توخي الأعمى في مثل هذا إلا من كان له من يراعي الوقت وأجاب بعضهم بأنه لا يلزم من كون المراد بقولهم أصبحت أي قاربت الصباح وقوع أذانه قبل الفجر لاحتمال أن يكون قولهم ذلك وقع في آخر جزء من الليل وأذانه يقع في أول جزء من طلوع الفجر انتهى قلت هذا بعيد جدا والمؤقت الحاذق في علمه يعجز عن تحرير ذلك

وايضا فيها: - (١٦ / ٣٣٠(

حدثنا (عبيد بن إسماعيل) عن (أبي أسامة) عن (عبيد الله) عن (نافع) عن (ابن عمر والقاسم بن محمد) عن (عائشة) رضي الله عنها أن بلالا كان يؤذن بليل فقال رسول الله كلوا واشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم فإنه لا يؤذن حتى يطلع الفجر
قال القاسم و لم يكن بين أذانهما إلا أن يرقى ذا ويترل ذا (انظر الحديث ٢٢٦)

وفى شرح صحيح البخارى ــ لابن بطال - (٢ / ٢٤٩(

ذكره البخارى فى كتاب الصيام فى باب قول النبى ، عليه السلام : (لا يمنعنكم من سحوركم أذان بلال) من رواية عائشة قالت : (إن بلالاً يؤذن بليل ، فقال عليه السلام : كلوا واشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم ، فإنه لا يؤذن حتى يطلع الفجر) ، وهذا نص قاطع للخلاف . وأما على من اعتل أن أذانه لو كان بعد الفجر لم يجز أن يؤمر بالأكل إلى وقت أذانه للإجماع أن الصيام واجب أول الفجر ، فإنما علة لا توجب فساد معنى الصيام ، وإنما كان أذان ابن أم مكتوم علامة لتحريم الأكل لا للتمادى فيه ، ولابد أنه كان له ممن يراعى له الوقت ممن يقبل قوله ويثق بصحته من وكل بذلك منه . وقد قال ابن القاسم : إنه من طلع عليه الفجر وهو يأكل أو يجامع فليلق ما فى فيه وليترل عن امرأته ، ولا خلاف فى الأكل والشرب ، وإنما اختلفوا فى الوطء على ما يأتى ذكره فى كتاب الصيام ، و لم يكن الصحابة ليخفى عليهم إيقاع الأكل فى غير وقته فيزاحمون به أذان ابن أم مكتوم ، بل كانوا أحوط لدينهم وأشد تحرزًا من ذلك ، وقد بين هذا ما رواه شعبة ، عن خبيب بن عبد الرحمن ، عن عمته أنيسة الخ

وفى مشكاة المصابيح مع شرحه مرعاة المفاتيح - (٦ / ٩٣٠﴾

قوله : (إذا سمع النداء) أي أذان الفجر (أحدكم) كذا في جميع النسخ الحاضرة وكذا وقع في المصابيح ، وفي أبي داود إذا سمع أحدكم النداء ، وهكذا وقع عند الدارقطني والحاكم والبيهقي وكذا نقله الخطابي في المعالم والجزري في جامع الأصول (ج٧ ص٢٤٣) والسيوطي في الجامع الصغير (والإناء) أي الذي يأكل منه أو يشرب منه يعني إناء الطعام أو الشراب وهو مبتدأ وخبره قوله (في يده) كذا في بعض النسخ من سنن فلا يضعه حتى يقضي حاجته منه)).أبي داود وفي بعضها على يده ، وهكذا عند الدارقطني والحاكم والبيهقي وكذا نقله الخطابي والسيوطي والجزري والجملة حالية (فلا يضعه) أي الإناء قيل هو بالجزم نهي (حتى يقضي حاجته منه) أي بالأكل والشرب ، وفيه إباحة الأكل والشرب من الإناء الذي في يده عند سماع الأذان للفجر وأن لا يضعه حتى

دار الافتاء

يقضي حاجته قيل المراد بالنداء الأذان الأول أي أذان بلال قبل الفجر لقوله {صلى الله عليه وسلم} إن بلالاً يؤذن بليل فكلوا وأشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم. قال البيهقي (ج۴ ص۲۱۸) هذا الحديث إن صح فهو محمول عند عوام أهل العلم على أنه {صلى الله عليه وسلم} علم أن المنادي كان ينادي قبل طلوع الفجر بحيث يقع شربه قبيل طلوع الفجر وقوله هذا خبر عن النداء الأول. وقال الخطابي (ج۲ ص۱۰۶) هذا على قوله إن بلالاً يؤذن بليل فكلوا وأشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم – انتهى. وفيه أنه لا يظهر حينئذٍ فائدة التقييد بقوله والإناء في يده وقيل هو محمول على من سمع الأذان وهو يشك في طلوع الفجر وبقاء الليل ويتردد فيهما فيجوز له الأكل والشرب ، لأن الأصل بقاء الليل حتى يتبين له طلوع الفجر الصادق باليقين أو بالظن الغالب وهذا عند الشافعية. قال الخطابي : أو يكون معناه أن يسمع الأذان وهو يشك في الصبح مثل أن تكون السماء متغيمة فلا يقع له العلم بأذانه إن الفجر قد طلع لعلمه إن دلائل الفجر معدومة ولو ظهرت للمؤذن لظهرت له أيضاً ، فأما إذا علم إنفجار الصبح فلا حاجة به إلى أذان الصارخ : لأنه مأمور بأن يمسك عن الطعام والشراب إذا تبين له الخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجر – انتهى. وقيل المقصود من الحديث إن تحريم الأكل والشرب إنما يتعلق بالفجر لا بالأذان ، فإن المؤذن قد يبادر بالأذان قبل الفجر لضعف في بصره أو لشيء آخر ، فلا عبرة بالأذان إذا لم يعلم بطلوع الفجر. وإنما العبرة في تحريم الأكل بالفجر.۲۱۰﴾

وفى التيسير بشرح الجامع الصغير ـــ للمناوى –

)إذا سلمت الجمعة) أي سلم يومها من وقوع الآثام فيه (سلمت الأيام) أي أيام الأسبوع من المؤاخذة (وإذا سلم) شهر (رمضان) من ارتكاب المحرّمات فيه (سلمت السنة) كلها من المؤاخذة لأنه تعالى جعل لأهل كل ملة يوما يتفرغون فيه لعبادته فيوم الجمعة يوم عبادتنا كشهر رمضان في الشهور وساعة الإجابة فيه كليلة القدر في رمضان فمن سلم له يوم جمعته سلمت أيامه ومن سلم له رمضان سلمت له سنته (قط في الافراد عد حل هب) وابن حبان (عن عائشة) وإسناده ضعيف بل قيل بوضعه (إذا سمع أحدكم) ممن يريد الصوم (النداء) أي أذان بلال الأوّل للصبح أو المراد إذا سمع الصائم الأذان للمغرب (والأناء) مبتدأ (على يده) خبره (فلا يضعه) نهي أو نفي بمعناه (حتى) أي إلى أن (يقضي حاجته منه) بأن يشرب منه كفايته ما لم يتحقق طلوع الفجر الصادق (حم د ك عن أبي هريرة) قال ك على شرط مسلم وأقرّوه ----واللہ اعلم بالصواب

احقر شاہ محمد تفضل علی

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۸/شعبان المعظم/۱۴۳۶ہجری

۶/جون/۲۰۱۵عیسوی

الجواب صحیح

مفتی دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۲۱/شعبان المعظم/۱۴۳۶ہجری

۹/جون/۲۰۱۵عیسوی

90011